محمد الیاس میراں پوری

عظیم مجاہد آزادی، ضیغمِ احرار..........شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کو فرنگی سامراج کے وجودِ نامسعود سے پاک کرنے اور تحریک آزادیٔ ہند میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے والے جاں نثار، جانباز اور انقلابی رہنماؤں میں ایک نام شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء تک کے تحریک خلافت کے ہنگامہ پرور اور معرکہ خیز برسوں میں، برصغیر کی سیاسی فضا، ایک نئے شعور اور نئے ولولے سے آشنا ہوئی ہے۔ سیاسی قائدین کی صفوں میں، جوان اور سرگرم، پڑھے لکھے اور بیدار مغز آزادی خواہوں کی ایک نئی کھیپ شامل ہوئی۔ شیخ حسام الدینؒ اسی کھیپ کے ایک نمایاں فرد تھے۔ ان کے رفقاء میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، ادیبِ حریت چودھری افضل حقؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، صاحبزادہ فیض الحسنؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ اور شورش کاشمیریؒ جیسے لوگ شامل تھے۔

شیخ حسام الدینؒ یکم جون ۱۸۹۷ء امرتسر (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عزیز الدین تھا۔ وہ اپنے خاندان سمیت کشمیر سے آ کر امرتسر آباد ہوئے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم محلّہ کے ایک بزرگ سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم ''گرو کی نگری'' سے حاصل کر کے خالصہ کالج، امرتسر سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۱ء میں تعلیم سے فارغ ہوئے تو پنجاب مارشل لاء کی زد میں تھا۔ جلیاں والا باغ کے حادثہ نے دلوں پر انگریزی راج کی ہیبت اور دہشت بٹھا دی تھی۔ تاہم خلافت اور ترک موالات کی ہنگامہ آرائی انگریز کو باور کرا رہی تھی کہ مسلمان قوم کو مزید محکوم نہیں رکھا جا سکتا۔

۱۸۵۷ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ایک پرامن اور عدم تشدد کے انقلاب کی عوامی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ انہی ایام میں شیخ حسام الدینؒ کالج کی آزاد فضاؤں سے نکل کر جدوجہدِ آزادی میں شریک ہوئے۔ جوانی کی آرزوئیں اور والدین کی خواہشات کچھ اور تقاضا کرتی تھیں، لیکن وطنِ عزیز اپنے جوانوں کو پکار رہا تھا۔ ہندوستان کے ہر حساس نوجوان کی طرح شیخ حسام الدینؒ گھر کی آسائش چھوڑ کر مصائب و آلام کیلئے آمادہ پیکار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ حسام الدینؒ کو مضبوط اور گھٹیلے جسم کے ساتھ ساتھ کشمیری رنگ و روغن بھی عطا کیا تھا۔ جب شیخ صاحبؒ خلافت کمیٹی کی سبز وردی پہن کر بحیثیت کیپٹن اپنی کور کے ساتھ امرتسر کے بازاروں میں مارچ کرتے تو ایسے لگتا کہ جیسے ترک فوج کا کوئی آفیسر گیلی پولی کے محاذ پر جا رہا ہو۔ ان کی یہ سج دھج شہر کے نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ حکومت کو شیخ صاحبؒ کی یہ ادا پسند نہ آئی، اس ''جرم'' کی پاداش میں شیخ صاحبؒ کو ۷/ جنوری ۱۹۲۲ء میں گرفتار کر کے خلافت کمیٹی امرتسر کے دفتر پر قبضہ کر لیا گیا۔ ڈیڑھ سال قید اور دو سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی، بہ صورت عدم ادائیگی مزید چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ شیخ

حسام الدینؒ کے والد صاحب کا خواب تھا کہ ان کا بیٹا سیشن جج بنے وہ بیٹے کی آئندہ تعلیم کے منصوبے بنا رہے تھے کہ بیٹا جیل چلا گیا۔ گھر والوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو والد صاحب بیٹے سے ملنے کوتوالی گئے۔ شیخ صاحبؒ کہتے ہیں:

''جب والد صاحب مجھے ملنے آئے تو میرا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ خدا جانے کیا کہیں گے؟ جبکہ انہیں پولیس سپرنٹنڈنٹ مسٹر بی ٹی خود مجھ سے ملانے لائے، میری نگاہیں جھکی رہیں اور وہ میری طرف دیکھتے رہے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد والد صاحب نے کہا ''برخوردار! تم نے جوانی کے جذبات کے زیر اثر آنکھیں بند کر کے اس زندگی میں حصہ لینا پسند کیا ہے، حالانکہ ہم لوگ اتنی جلدی تمہاری ناتجربہ کاری کی وجہ سے عملی شرکت پسند نہیں کرتے تھے، لیکن تم نے ہماری نصیحت کی کوئی پروا نہیں کی۔ ہم لوگ تحریک کے مخالف نہیں تھے، بلکہ ہم تو صرف یہ چاہتے تھے، تم پہلے عملی زندگی کا کسی قدر تجربہ حاصل کر لیتے، اس کے بعد سوچ سمجھ کر حصہ لیتے تو ہمیں خوشی ہوتی، خیر جو ہونا تھا، سو ہوا۔ تقدیر میں یہی تھا لیکن اب تم ملک اور قوم کے نام پر گرفتار کئے جا چکے ہو۔ تمہارا معاملہ ذاتی نہیں رہا، نیز تمہارے ہر عمل کا اثر قوم پر پڑے گا۔ اس لئے حوصلہ نہ ہارنا اور شیخ سعدیؒ کے اس قول کو کبھی نہ بھولنا''

''بر سرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگذرد''

یعنی! ''اولادِ آدم (انسان) پر جیسا بھی وقت آئے، گزر جاتا ہے''۔

والد صاحب کی یہ نصیحت سن کر مجھے بے حد مسرت ہوئی۔ خوشی کے آنسو، پلکوں تک آن پہنچے۔ بزرگوں کی ناراضگی کا خیال ایک بوجھ تھا، جو یکا یک میرے سینے سے اتر گیا''

۱۹۲۶ء میں راج پال ایجی ٹیشن شروع ہوئی۔ پنجاب کے وہ مسلم خلافتی رہنما، جو بعد میں مجلس احرار اسلام کی شکل میں نمودار ہوئے۔ اس تحریک میں پیش پیش تھے شیخ حسام الدینؒ اور دیگر احرار رہنماؤں کی مسلسل کوششوں سے وہ قانون پاس ہوا، جس کے باعث مذہبی رہنماؤں کی توہین جرم قرار دے دی گئی۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا، تو شیخ صاحبؒ اس کے بانی رہنماؤں میں شامل تھے۔ کہا جا سکتا ہے شیخ صاحبؒ کا ذہن مجلس احرار اسلام کے قیام سے پہلے ہی ''احراری'' تھا۔ جماعت کے قیام سے آپ کا نصب العین پورا ہو گیا۔ آپ نے مجلس احرار اسلام کی برپا کردہ تمام تحاریک میں بھرپور حصہ لیا۔ قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز ہو کر اور افرنگی جاہ و جلال کو پس پشت ڈال کر، دیوانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں تحریک کشمیر اور ۱۹۳۳ء میں تحریک کپورتھلہ کی صورت میں ریاستی جبر و استبداد کے، خلاف احرار کی مزاحمتی یلغار ہوئی ۱۹۳۴ء میں قادیان کی خود ساختہ ''مذہبی ریاست'' کی ناقابل تسخیر حیثیت کو چیلنج کرنے کا مرحلہ ہو، شیخ صاحبؒ ہمیشہ صفِ اوّل میں موجود رہے۔

۱۹۳۵ء میں، لاہور میں تحریک مسجد شہید گنج ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ میں تحریک مدح صحابہؓ اور پھر ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے طول و عرض میں تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے معرکے آج بھی بھولی بسری داستانیں معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن قافلہ آزادی کو ''قراردادِ مقاصد'' کے فیصلہ کن موڑ تک پہنچنے کیلئے انہی منزلوں اور مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا۔ شیخ حسام الدینؒ ان خونچکاں

مرحلوں میں ہمیشہ سرخرو رہے۔ وہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۷ء تک کے جہادِ آزادی کے کتنے ہی رازوں کے امین، کتنے ہی پس منظر واقعات کے عینی شاہد اور کتنے ہی معرکوں کا بذاتِ خود حصہ تھے۔ اس عرصہ میں، اقبال، قائداعظم، مولانا ابوالکلام آزاد، گاندھی اور نہرو کی ہم نشینی بھی انہیں میسر آئی۔ قافلۂ احرار کی قیادت کے صلے میں آئے روز کی گرفتاریاں اور نظر بندیاں بھی ان کے مقدر میں لکھی جاتی رہیں۔

۱۹۴۶ء میں جب لارڈ ویول، لارڈ پیتھک لارنس اور سر سٹیفورڈ کرپس پر مشتمل ''کیبنٹ مشن'' برطانیہ سے ہندوستان پہنچا تا کہ آزادی کے سوال پر ہندوستانی جماعتوں کی قیادت سے فیصلہ کن مذاکرات کئے جائیں، تو مسلم لیگ اور کانگریس کے علاوہ قوم پرور قائدین کے جس وفد سے ملاقات کی گئی، اس میں شیخ حسام الدینؒ بطور صدر مجلس احرار اسلام ہند شامل تھے اور ان کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ صدر جمعیت علماء اسلام ہند بھی تھے۔ حکومت احرار سے خائف تھی، شیخ صاحبؒ نے کرپس سے کہا کہ ہمیں تو اپنا اخبار تک نکالنے کی اجازت نہیں ہے۔ مرکزی حکومت کی مداخلت پر، لاہور سے روزنامہ ''آزاد'' کا اجراء ممکن ہوا۔ جس کے مدیر منتظم مدت العمر شیخ صاحبؒ رہے۔

پاکستان بنا تو احرار انتخابی سیاست سے دست کش ہو گئے۔ شیخ صاحبؒ حسین شہید سہروردی کے اصرار پر عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ شورش کاشمیریؒ راوی ہیں کہ:

''ایک دن سہروردی نے شیخ صاحبؒ سے کہا'' شیخ صاحبؒ! سکندر مرزا کو احرار کے بارے میں غلط فہمی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس کا ذہن صاف ہو جائے لیکن آپ کی اس سے ملاقات مفید ہوگی''۔ غرض شیخ صاحبؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، سکندر مرزا سے ملاقات کیلئے گورنمنٹ ہاؤس لاہور گئے۔ سکندر مرزا اپنے صدارتی جاہ وجلال کے ساتھ برآمد ہوا اور شاہانہ بے نیازی کے ساتھ فروکش ہو گیا۔ ڈاکٹر خان صاحب صوبہ کے وزیر اعلیٰ ہمراہ تھے۔ سہروردی نے مرزا سے کہا'' دونوں احرار رہنما شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ آئے ہیں۔ مرزا نے حقارت سے جواب دیا۔

''احرار پاکستان کے غدار ہیں''

ماسٹر جیؒ ٹھنڈی طبیعت کے مالک تھے، کہنے لگے:''غدار ہیں تو پھانسی پر کھنچوا دیجیے لیکن الزام کا ثبوت ہونا چاہیے''۔

سکندر مرزا نے اسی رعونت سے جواب دیا:''بس میں نے کہہ دیا کہ احرار غدار ہیں''

ماسٹر جیؒ نے تحمل کا رشتہ نہ چھوڑا لیکن مرزا نے سرکش گھوڑے کے پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیا۔

وہی ژاژ خائی!

شیخ صاحبؒ نے غصہ میں کروٹ لی، مرزا سے پوچھا!''کیا کہا آپ نے؟''

''میں نے؟''

''جی ہاں!''

''احرار پاکستان کے غدار ہیں''۔ مرزا نے مٹھی بھینچتے ہوئے کہا۔

شیخ صاحبؒ کہاں رکتے، گورنمنٹ ہاؤس، گورنر موجود، وزیراعلیٰ موجود، وزیراعظم موجود، صدر مملکت کی بارگاہ؟ فوراً جواب دیا:
''احرار غدار ہیں کہ نہیں؟ اس کا فیصلہ ابھی تاریخ کرے گی، تمہارا فیصلہ تاریخ کر چکی ہے کہ تم غدار ابن غدار ہو، تمہارے جد امجد میر جعفر نے سراج الدولہ سے غداری کی تھی، تم اسلام کے غدار ہو''۔

ڈاکٹر خان صاحب نے شیخ صاحبؒ کو آغوش میں لے لیا اور سکندر مرزا سے پشتو میں کہا: ''میں نے پہلے کہا تھا، ان لوگوں کے ساتھ شریفانہ لہجے میں بولنا، یہ بڑے بے ڈھب لوگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ بلی ایک ہی جھٹکے میں سپر انداز ہو جاتی ہے۔ یکا یک اس کا لب ولہجہ ہی بدل گیا''۔

آنجہانی سر ظفر اللہ خان قادیانی کو وزارت خارجہ سے ہٹوانے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کیلئے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو شیخ صاحبؒ اس میں پیش پیش تھے۔ اس تحریک میں ہزاروں جاں نثاروں نے شہادت اور قید وبند کی زندگی کو قبول کر کے، ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کی سعادت حاصل کی۔ شیخ صاحبؒ قید کئے گئے۔

۱۹۵۶ء میں سیاسی جماعتوں پر پابندیاں اٹھیں تو شیخ صاحبؒ بھی مجلس احرار اسلام کی تجدید واحیاء کیلئے کمر بستہ ہو گئے۔ ۱۹۶۲ء میں انہوں نے ''متحدہ اسلامی محاذ'' قائم کر کے صدر ایوب سے رابطہ پیدا کیا اور ان کے سامنے اس وقت کے گھمبیر سیاسی بحران کے حل کیلئے خالصتاً دینی نقطۂ نظر کی ترجمانی کی۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی لیکن ''دینی سیاست'' کی یہ صورت گری ''اتحادی سیاست'' کے مفاداتی اور طبقاتی عزائم کی تکمیل میں سرگرم عناصر کو سخت ناپسند ہوئی۔ چنانچہ اس محاذ کو غیر مؤثر بنا دیا گیا۔

شیخ صاحبؒ نہ صرف مدبر سیاستدان تھے بلکہ منجھے ہوئے صاحب قلم بھی تھے۔ انگریز مصنف ایڈورڈ تھامسن نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں پر روا رکھے گئے ظلم وستم پر ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا نام "The Other Side of the Medal" تھا۔ شیخ صاحبؒ نے اس اہم کتاب کا اردو ترجمہ ''انقلاب ۱۸۵۷ء..... تصویر کا دوسرا رخ'' کے نام سے کیا۔ ان دنوں جیل میں تھے۔ یہ ترجمہ تقسیم سے بہت پہلے تقسیم ہوا تھا اور آج تک اپنے موضوع پر ایک لاجواب چیز ہے۔ ''غبارِ کارواں'' شیخ صاحبؒ کے ان متفرق مضامین کا مجموعہ ہے، جن میں ان کی ذاتی اور مجلسی زندگی کے مختلف اہم ادوار کی صحیح نقشہ کشی اور اس زمانہ کے تمام دینی وسیاسی تغیرات کا پورا شعور اور بصیرت کے ساتھ تجزیہ کیا گیا ہے۔

نصف صدی تک انگریزی راج اور اس کی باقیات وآثار سے نبرد آزما رہنے والے اسلام کے اس فرزند نے ۲۱ر جون ۱۹۶۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں